امام محمد باقر علیہ السلام اور سیاسی جدوجہد

آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی

ترجمہ: جناب مولانا سید ولی الحسن رضوی صاحب

امام باقرؑ کا عہد:- ہمارے پانچویں امام محمد باقر علیہ السلام کا دور آتا ہے حضرت کی زندگی بھی امام چہارم کے خطوط پر ہی کاربند نظر آتی ہے جناب سید سجادؑ نے اپنا کام جس منزل پر چھوڑا تھا آپ اسی کام کو مزید آگے بڑھاتے ہیں فرق اتنا ہے کہ اب نسبتاً حالات کچھ بہتر ہو چکے ہیں۔ چنانچہ امام باقرؑ بھی معارف اسلامی اور تعلیمات محمدیؐ پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اور چونکہ اب لوگ خاندان پیغمبر کی طرف سے پہلے جیسی بے اعتنائی و سرد مہری نہیں برتتے لہٰذا جب امام وارد مسجد ہوتے ہیں کچھ لوگ ان کے ارد گرد حلقہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور آپ کے وجود ذی جود سے استفادہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو مسجد مدینہ میں اس عالم میں دیکھا کہ ''و حوله اهل خراسان و غيرهم'' خراسان نیز دیگر دور دراز علاقوں سے تعلق رکھنے والے افراد آپ کے چاروں طرف جمع تھے اس سے پتہ چلتا ہے کہ تبلیغات کا اثر اب کسی موج کی مانند پوری اسلامی دنیا میں پھیلاؤ پیدا کر رہا تھا۔ دور دور کے لوگ اہلبیتؑ سے نزدیک ہو رہے تھے۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں ''احتوشه اهل خراسان'' یعنی اہل خراسان آپ کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے تھے اور حضرت ان لوگوں سے حلال وحرام سے متعلق مسائل بیان فرماتے رہتے تھے۔

اس وقت کے بڑے بڑے علماء آپ کے علم سے فیضیاب ہوتے تھے۔ عکرمہ جیسی مشہور و معروف شخصیت جو ابن عباس کے شاگردوں میں سے تھی جس وقت امامؑ کی خدمت میں پہونچی تاکہ آپ سے حدیث سنے (اور شاید امام کا امتحان لینا بھی مقصود رہا ہو!) تو ہاتھ پاؤں میں ایک تھرتھری سی پڑ گئی اور بے تحاشہ طور پر خود کو امامؑ کی آغوش میں گرا دیا۔ بعد میں اپنی حالت پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے عکرمہ کہتے ہیں: میں نے ابن عباس جیسے بزرگ کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے حدیث بھی سنی مگر اے فرزند رسولؐ! آپ کی خدمت میں پہونچکر میری جو کیفیت ہوئی اس حالت سے کبھی بھی دوچار نہیں ہوا تھا۔ آپ ملاحظہ فرمائیں جواب میں حضرتؑ کتنی وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں:-

''ویحک یا عبید اهل الشام انک بین یدی بیوت اذن الله ان ترفع و یذکر فیها اسمه''

اے حکومت شام کے بندۂ بے دام! اس وقت تو ایک معنوی عظمت کے روبرو کھڑا ہے یہی وجہ ہے کہ تیرے ہاتھ پاؤں تیرے قابو میں نہیں ہیں۔

امامؑ کی خدمت میں ابو حنیفہ جیسی شخصیت جن کا اپنے دور کے صاحب نظر فقہاء میں شمار ہوتا ہے احکام دین اور معارف اسلام کی تحصیل کے لئے حاضری دیتی نظر آتی

ہے۔ ان کے علاوہ بھی دوسرے بہت سے بڑے بڑے علماء کے نام حضرت کے شاگردوں کی طویل فہرست میں نظر آتے ہیں۔ حضرتؑ کا علمی شہرہ اطراف واکناف عالم تک پہونچ چکا تھا اسی وجہ سے آپ باقر العلوم کے نام سے مشہور ہوئے۔

اب معاشرے کی حالت اور لوگوں کے دلوں میں ائمہ علیہم السلام کے تئیں احترام ومحبت کا جذبہ امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانہ میں اس حد تک تبدیل ہو چکا تھا۔ اسی مناسبت سے امام کی سیاسی جدوجہد میں بھی تیزی نظر آتی ہے یعنی جناب سید سجادؑ عبد الملک بن مروان کے مقابلہ میں کبھی کوئی سخت اور درشت لب ولہجہ اپنانا بھی چاہتے تو اس وقت کے حالات اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اگر عبد الملک سید سجادؑ کو کسی موضوع پر خط لکھتا ہے اور حضرت اس کا جواب دیتے ہیں تو اگر چہ فرزند نبیؐ کا جواب ہمیشہ ہر رخ سے محکم و متین اور دنداں شکن ہوتا ہے پھر بھی اس میں کوئی صریحی مخالفت اور تعرض کا انداز نظر نہیں آتا۔ لیکن امام محمد باقر علیہ السلام کا مسئلہ دوسرے ہی انداز کا ہے آپ کی جدوجہد کا طریقہ کار اتنا واضح ہے کہ اسے دیکھ کر ہشام بن عبد الملک خوف وہراس کا احساس کرتا ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ امام پر نظر رکھنا ضروری ہے چنانچہ وہ آپ کو شام لے جانا چاہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سید سجاد کو بھی آپ کی امامت کے دوران (حادثۂ کربلا اور اسیری اہل حرم کے بعد دوبارہ) قید کر کے پابہ زنجیر شام لے جایا گیا ہے لیکن وہ دوسری نوعیت تھی اور سید سجادؑ ہمیشہ بڑے ہی احتیاط کے ساتھ اقدامات کیا کرتے تھے جبکہ امام محمد باقر علیہ السلام کی گفتگو کا لہجہ سخت نظر آتا ہے۔ میں نے چند روایتیں دیکھی ہیں جن میں امام باقرؑ اپنے اصحاب سے مذاکرہ فرماتے ہوئے ان کو حکومت وخلافت اور امامت ورہبری کی دعوت ہی نہیں بلکہ مستقبل قریب میں اس کے قیام کی خوشخبری دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ایک روایت بحار میں اس مضمون کے ساتھ نقل کی گئی ہے:-

حضرت ابی جعفر (امام باقرؑ) کا بیت الشرف جمعیت سے پر ہے ایک بوڑھا شخص عصا پر تکیہ کیے ہوئے آتا ہے اور سلام واظہار محبت کے بعد حضرت کے بغل میں بیٹھ جاتا ہے اور یوں گویا ہوتا ہے: ''**فو اللہ انی لاحبکم احب من یحبکم فو اللہ ما احبکم و احب من یحبکم لطمع فی دنیا و اننی لابغض عدوکم و ابرء منہ فو اللہ ما ابغضہ و ابرء منہ لوترٍ کانت بینی و بینہ و اللہ انی لاحل حلالکم و احرم حرامکم و انتظر امرکم فھل ترجو لی جعلنی اللہ فداک۔**''

خدا کی قسم میں آپ کو دوست رکھتا ہوں اور اس کو بھی دوست رکھتا ہوں جو آپ کو دوست رکھتا ہے اور خدا کی قسم یہ دوستی دنیاوی مفادات کی لالچ کی خاطر نہیں ہے۔ اور بے شک میں آپ کے دشمنوں سے بغض رکھتا ہوں اور ان سے برائت چاہتا ہوں اور خدا کی قسم یہ دشمنی ان سے ذاتی عداوت یا بدلہ کے باعث نہیں ہے۔ خدا کی قسم میں نے اس شئے کو حلال سمجھا ہے جس کو آپ نے حلال قرار دیا اور اس کو حرام سمجھا ہے جس کو آپ نے حرام قرار دیدیا ہے میں آپ

کے امر کا منتظر ہوں پس میں آپ پر فدا ہو جاؤں کیا آپ کی کامیابی کے دن میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں گا۔

اس روایت میں آخری جملہ غور طلب ہے، آنے والا امامؑ سے سوال کرتا ہے کہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کی کامیابی کے دن اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں گا؟ کیونکہ میں آپ کے امر یعنی آپ کی حکومت کے دیکھنے کا منتظر ہوں اس دور میں 'امر' یا ہٰذ الامر یا امرکم کی تعبیر حکومت کے معنی میں ہے۔ اس طرح کی تعبیریں کیا ائمہ اور ان کے اصحاب اور کیا ان کے مخالفین ہر ایک کے درمیان ان ہی معنوں میں استعمال ہوئی ہے۔ چنانچہ مامون رشید سے گفتگو کرتے ہوئے ہارون کہتا ہے:-

واللّٰہ لو تنازعت معی فی ھٰذا الامر

ظاہر ہے یہاں ھذا الامر سے خلافت و امامت ہی مراد ہے۔ لھٰذا انتظر امر کم کا مطلب امام کی حکومت و خلافت کا انتظار ہے۔ بہر حال وہ شخص سوال کرتا ہے کہ مولا! کیا آپ کو امید ہے کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں گا اور آپ کی حکومت اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں گا؟

''فقال ابو جعفر :الیٰ الیٰ حتیٰ اقعدہ علیٰ جنبہ'' امامؑ نے اس کو اپنے قریب بلایا اور اپنے بغل میں جگہ عنایت فرمائی۔ثم قال : ایھا الشیخ ان علی بن الحسین علیہ السلام اتاہ رجل فسألہ عن مثل الذی سئلتنی عنہ''

یعنی امامؑ فرماتے ہیں بعینہ یہی سوال امام زین العابدینؑ سے بھی کیا گیا تھا۔ البتہ مجھے سید سجادؑ سے مروی روایتوں میں اس طرح کی عبارت نہ مل سکی چنانچہ اگر سید سجادؑ کے سامنے بھی اس قسم کی گفتگو مجمع عالم میں ہوئی تھی تو دوسرے بھی اس سے واقف ہوتے اور بات ہم تک بھی ضرور پہنچتی لھٰذا گمان غالب یہ ہے کہ امام سجادؑ نے جو بات پردۂ راز میں رکھتے ہوئے فرمائی ہے، یہاں امام باقر علیہ السلام نے وہی بات علی الاعلان ارشاد فرمائی ہے۔امام فرماتے ہیں:-

ان تمت ترد علیٰ رسول اللّٰہ وعلیٰ علی والحسن والحسین و علی بن الحسین و یثلج قلبک و یبرد فؤداک و تقر عینک و تستقبل الروح والریحان مع الکرام الکاتبین و ان تعش تری مایقر اللّٰہ بہ عینک وتکون معنا فی السنام الاعلیٰ''

امامؑ اپنے اس صحابی کو مایوس نہیں کرتے فرماتے ہیں: اگر موت آگئی تو پیغمبر اسلام اور اولیاء کرام کی معیت سے شرفیاب ہوگے اور اگر زندہ رہے تو ہمارے ساتھ رہو گے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کے کلام میں اس طرح کی تعبیرات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام اپنے شیعوں کو مستقبل کے بارہ میں پر امید رکھنا چاہتے ہیں۔ ایک دوسری روایت جو کافی میں نقل کی گئی ہے وقت قیام کی بھی نشاندہی کرتی ہے اور بظاہر یہ چیز بڑی عجیب سی لگتی ہے:

عن ابی حمز□ الثمالی بسندعالٍ:قال سمعت ابا جعفر (ع) یقول :ان اللّٰہ تبارک و تعالیٰ قد وقّت ھٰذا الامر فی السبعین فلما ان قتل الحسین (ع)

اشتد غضب اللّٰہ تعالیٰ علی اھل الارض فاخرہ الیٰ اربعین و مائۃ و حدثنا کم و اذعتم الحدیث فکشفتم قناع الستر و لم یجعل اللّٰہ لہ بعد ذالک وقتاً عندنا۔ و یمحو اللّٰہ مایشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب''

ابوحمزۂ ثمالی امام محمد باقرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ: خداوند عالم نے ۷۰ھ کوحکومت علوی کی تشکیل کے لئے مقدر فرمایا تھا لیکن امام حسین علیہ السلام کے قتل نے خداوند عالم کو لوگوں کی طرف سے اتنا خشمگیں کر دیا کہ اس وقت کو ۱۴۰ھ تک ملتوی کر دیا۔ اور پھر ہم نے تم کو اس وقت کی خبر دی اور تم نے افشاء کر دیا اور پردۂ راز میں نہ رکھ سکے لٰھذا اب پروردگار عالم نے ہم کو اس وقت کی کوئی خبر نہیں دی ہے خدا کسی بھی چیز کے بارے میں جیسا چاہتا ہے محو یا اثبات کر دیتا ہے دفتر تقدیر اسی کے پاس ہے۔

ابوحمزۂ ثمالی کہتے ہیں:-

''فحدثت بذالک ابا عبداللّٰہ (ع) فقال قد کان کذالک۔''

میں نے امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا: ہاں ایسا ہی تھا۔

۱۴۰ھ امام صادق علیہ السلام کی زندگی کا آخری دور ہے اور یہ وہی چیز ہے جو اس حدیث مبارکہ کے دیکھنے سے قبل ہی ائمہ علیہم السلام کے حالات زندگی سے میں نے ماخوذ کر لی تھی چنانچہ میری نظر میں وہ ممکنہ حکومت جس کے لئے امام سجادؑ نے اس انداز سے امام باقرؑ نے اس انداز سے جد و جہد کی اصولی طور پر امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں قائم ہوجانی چاہئے تھی کیونکہ امام صادقؑ کی شہادت ۱۴۸ھ میں ہوئی ہے اور خدا کی طرف سے تاسیس حکومت کا وعدہ ۱۴۰ھ کے لئے تھا اور ۱۴۰ھ کی اہمیت ۱۳۵ھ کے بعد کے دنوں کی اہمیت کے ذیل میں پیش کیے گئے ہمارے معروضہ سے ظاہر ہے یعنی یہی وہ وقت ہے جب عباسی خلیفہ منصور برسر اقتدار آیا ہے۔ اگر منصور برسر اقتدار نہ آتا اور بنو عباس کا حادثہ تاریخ میں رونما نہ ہوتا تو حالات یقیناً کچھ اور ہوتے۔ گویا حالات کے تحت تقدیر الٰہی یہی تھی کہ ۱۴۰ھ میں ایک الٰہی اسلامی حکومت قائم ہوجانی چاہئے تھی اب یہ ایک دوسری بحث ہے کہ آیا آئندہ کے سلسلہ میں خود ائمہ علیہم السلام کی بھی توقعات بندھی ہوئی تھیں اور وہ اس دن کے منتظر تھے یا کہ وہ پہلے سے جانتے تھے کہ قضاء الٰہی کچھ اور ہی ہوگی؟ فی الحال ہم اس بحث کو چھیڑنا نہیں چاہتے ممکن ہے ایک مستقل موضوع کے تحت اس پر بحث کی جائے۔

ابھی تو ہماری بحث امام محمد باقر علیہ السلام کے حالات کے سلسلہ میں ہے کہ آپ واضح الفاظ میں تصریح کر دیتے ہیں کہ ۱۴۰ھ نظام الٰہی کی تشکیل کے لئے معین تھا لیکن چونکہ ہم نے اس کی تم کو خبر دے دی اور تم اس کو پردۂ راز میں نہ رکھ سکے لہٰذا خداوند عالم نے اس میں تاخیر کر دی۔ اس طرح کی امید بندھانا اور وعدے کرنا امام محمد باقرؑ کے دور کا اہم امتیاز ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کی زندگی کے سلسلہ میں بھی کئی گھنٹوں بحث کئے جانے کی ضرورت ہے تاکہ آپ کی زندگی کے مختلف گوشے اجاگر کئے جاسکیں میں اس سلسلہ میں

بھی طولانی بحثیں کر چکا ہوں مختصر یہ کہ حضرت کی زندگی میں سیاسی جد وجہد کے عنصر بالکل واضح ہیں اگر چہ آپ مسلحانہ مبارزہ کے حق میں نظر نہیں آتے۔ چنانچہ آپ کے بھائی زید ابن علی جب آپ سے مشورہ کرتے ہیں تو حضرتؑ فرماتے ہیں :''قیام نہ کرو'' اور جناب زید آپ کی اطاعت کرتے ہوئے خاموش ہو جاتے ہیں اور یہ جو دیکھنے میں آتا ہے کہ کچھ لوگ جناب زید کی اہانت پر اتر آتے ہیں کہ امامؑ نے قیام سے منع کیا تھا پھر بھی جناب زید اٹھ کھڑے ہوئے اور امام کی اطاعت نہیں کی یہ ایک غلط تصور ہے۔ امام باقر علیہ السلام کے منع کرنے کے بعد جناب زید نے امام کی اطاعت کی اور قیام نہ کیا اور جب امام صادق کا دور آیا تو انہوں نے دوبارہ امام صادقؑ سے مشورہ کیا۔ امامؑ نے قیام سے منع نہیں کیا بلکہ اس سلسلہ میں حوصلہ افزائی بھی کی یہی وجہ ہے کہ جناب زید کی شہادت کے بعد بھی امام صادقؑ آرزو کرتے ہیں کہ کاش میں بھی زید کے ساتھیوں میں ہوتا۔ لہٰذا کسی بھی طرح جناب زید کے ساتھ یہ اہانت آمیز برتاؤ درست نہیں ہے۔

بہر حال امام محمد باقر علیہ السلام نے مسلحانہ قیام قبول نہ کیا لیکن آپ کی زندگی میں سیاسی مبارزہ واضح طور پر نظر آتا ہے۔ اور آپ کی سیرت کا مطالعہ کرتے وقت بخوبی اس کا احساس کیا جا سکتا ہے جبکہ سید سجادؑ کی زندگی میں سیاسی مبارزہ اس صراحت کے ساتھ نظر میں نہیں آتا۔

جب اس عظیم ہستی کا دور حیات آخری منزلوں پر پہونچنے لگتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ حضرتؑ اپنے سیاسی مبارزہ کو میدان منیٰ میں عمومی عزاداری کا رنگ دیکر جاری رکھتے ہیں آپ وصیت کرتے ہیں کہ دس برس تک منیٰ میں سوگ کے طور پر آپ پر گریہ کیا جائے (تندبنی النوادب بمنیٰ عشر سنین) یہ دراصل اسی سیاسی جد وجہد کے جاری رکھنے کا ایک طریقہ ہے۔ امام محمد باقرؑ پر گریہ کیا جانا اور وہ بھی منیٰ میں آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ ائمہ علیہم السلام کی زندگانی میں عام طور پر امام حسین علیہ السلام پر گریہ کے سلسلہ میں ضرور حکم ملتا ہے، چنانچہ اس ذیل میں یقینی روایات موجود ہیں لیکن اور کسی کے سلسلہ میں مجھے یاد نہیں کہ اس طرح کا حکم دیا گیا ہو، الّا یہ کہ امام رضاؑ کے بارے میں اتنا ملتا ہے کہ آپ جب وطن سے رخصت ہونے لگے تو اپنے اہل خاندان کو جمع کیا تا کہ آپ پر گریہ کریں اور یہ اقدام مکمل طور پر سیاسی نوعیت رکھتا ہے۔ لیکن یہ امام کی رحلت سے قبل کا واقعہ ہے۔ امام حسینؑ کے بعد یہ محض امام محمد باقر علیہ السلام کے سلسلہ میں شہادت کے بعد اس طرح کے گریہ کا حکم نظر آتا ہے امام وصیت کرتے ہیں اور آٹھ سو درہم اپنے پاس سے دیتے ہیں کہ یہ کام منیٰ میں انجام دیا جائے۔ منیٰ، عرفات و مشعر بلکہ خود مکہ سے بھی فرق رکھتا ہے۔

مکہ میں حاجی متفرق رہتے ہیں ہر شخص اپنے اپنے کام میں مشغول رہتا ہے عرفات کا قیام زیادہ سے زیادہ صبح سے عصر تک رہتا ہے صبح جب لوگ پہونچتے ہیں تھکے ہوئے ہوتے ہیں اور عصر کے وقت واپسی کی جلدی رہتی ہے تا کہ اپنے کام انجام دے سکیں۔ مشعر میں شب کے وقت چند گھنٹوں کا قیام رہتا ہے۔ منیٰ جاتے ہوئے اس کی ایک گزرگاہ کی حیثیت ہے لیکن منیٰ میں مسلسل طور پر تین راتیں

گذارنی ہوتی ہیں ایسے بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو اس درمیان اپنے دن مکہ میں اور راتیں منیٰ میں گذارتے ہوں۔ زیادہ تر لوگ وہیں ٹھہرتے ہیں خاص طور سے اس زمانے میں جبکہ وسائل سفر بھی آسانی سے مہیا نہ ہوتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت عالم اسلام کے مختلف گوشوں سے تعلق رکھنے والے ہزاروں افراد تین شبانہ روز ایک ہی جگہ جمع رہتے تھے ہر شخص بآسانی درک کرسکتا ہے کہ اس سے بہتر کوئی دوسری جگہ تبلیغات کے لئے نہیں مل سکتی جو پیغام بھی پورے عالم اسلام میں پہونچانا مقصود ہو یہاں سے بخوبی نشر کیا جاسکتا ہے۔ خصوصاً ایک ایسے دور میں جبکہ آج کی طرح ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبار یا اسی طرح کے دوسرے وسائل ابلاغ موجود نہ تھے۔ جب کچھ لوگ اولاد پیغمبر میں سے ایک فرد پر گریہ و زاری کرتے نظر آتے، اصولی طور پر لوگوں کے دلوں میں سوال اٹھتا کہ ان لوگوں کی اشک ریزی کا کیا سبب ہے، ہر ایک مرنے والے پر اتنی مدت تک اس شدت کے ساتھ گریہ وزاری نہیں ہوتی مگر یہ کہ اس پر ظلم ہوا ہو یا اس کو ظالموں نے قتل کیا ہو؟ کس نے آل محمدؐ پر ظلم کیا؟ ان پر کیوں ظلم کیا گیا؟ اس طرح کے بے پناہ سوالات پیدا ہوتے اور یہ وہی سیاسی جدوجہد ہے جس کا بہت ہی دقیق طور پر اندازہ کرتے ہوئے امام کی طرف سے حکم دیا گیا ہے۔

امام محمد باقرؑ کی سیاسی زندگی کا مطالعہ کرتے وقت ایک نکتہ کی طرف میری توجہ مبذول ہوئی وہ یہ کہ اپنی خلافت کے حق میں استدلال کا جو طریقہ پہلی صدی ہجری کے نصف اول میں اہلبیت علیہم السلام کی زبان پر جاری رہا ہے امام علیہ السلام بھی اسی کی تکرار کرتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ وہ طریقۂ استدلال یہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے عرب ہونے کی بنیاد پر عرب عجم پر فخر کرتے ہیں، قریش غیر قریش پر فخر کرتے ہیں۔ اگر ان کا فخر کرنا صحیح ہے تو ہم تو پیغمبرؐ کے خاندان اور اولاد سے ہیں لہٰذا سب پر اولیت رکھتے ہیں اور حال یہ ہے کہ ہم کو اس حق سے محروم کر کے دوسرے اپنے آپ کو پیغمبر کی حکومت کا وارث قرار دئے بیٹھے ہیں اگر پیغمبر کی قربت قریش کو غیر قریش پر اور عرب کو غیر عرب پر ممتاز و مفتخر قرار دیتی ہے تو یہ دوسروں پر ہماری برتری اور اولویت کو بھی ثابت کرتی ہے۔ یہ وہ استدلال ہے جو ابتدائی دور میں بارہا اہلبیت علیہم السلام کی زبان پر جابجا جاری ہوا ہے اور اب دوبارہ ۹۵ھ سے ۱۱۴ھ کے درمیان امام محمد باقرؑ اپنے عہد امامت میں ان کلمات کی تکرار فرماتے ہیں اور اپنی خلافت کے لئے اس طور پر استدلال کرنا بڑی معنویت رکھتا ہے۔

ارشادات امام محمد باقر علیہ السلام:-

❁ علم حاصل کرو تاکہ لوگ تمہیں پہچانیں اور اس پر عمل کرو تاکہ تمہارا شمار علماء میں ہو۔
❁ عبادت الٰہی کا خاص خیال رکھو، عمل خیر میں جلدی کرو، برائیوں سے اجتناب کرو۔
❁ تین برائیاں ایسی ہیں کہ ان کا انجام دینے والا ان کے برے اثرات کو دیکھ کر ہی اس دنیا سے اٹھتا ہے:
❁ ان میں سے پہلی برائی ظلم دوسری قطع رحمی اور تیسری جھوٹی قسم ہے۔